قواعد فقہ کی حقیقت،اہمیت اور علمی ضرورت

(The Origin, Importance and Necessity of the Islamic Legal Maxims)

☆ سلیم الرحمن
☆ نثار محمد

Abstract

Islamic Jurisprudence deals with the applied commands/ orders regarding the unlimited problems of the whole mankind. Emergence of new issues with the passage of time is further addition to it. Demarcation, understanding and control of all these infinite problems are not only difficult, but almost impossible. To cope up with all the situations, the scholars of Islamic jurisprudence have chalked out certain rules and regulations. Proper arrangement, understanding and control of the prevailing issues become possible due to these rules and the work of derivation of the problems also becomes easy. This formulates the principles of legal maxims in general and that of certain special sect in specific, which promotes the capabilities of the skill of derivation. As a result of this process, we get a general shape of Islamic Jurisprudence. In the given article, the structure and origin of these legal maxims, their difference with the other principles and their scholastic and technical importance have been discussed.

قواعد فقہیہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف

قواعد ، قاعدہ کی جمع ہے عربی زبان میں "قاعدہ" کے لغوی معنی بنیاد اور اساس کے ہیں "القاعدةأصل الأس والقواعدالأساس"[1] کسی عمارت کی بنیادوں کو بھی"قواعد" کہتے ہیں " قواعد البیت آساسہ"[2]قواعد البیت سے مراد گھر کی بنیادیں ہیں۔ قرآن کریم میں لفظ "قواعد" اسی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَإِذْيَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَمِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ"[3]

اسی طرح سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

---

* پی ایچ-ڈی سکالر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی / لیکچرار شعبہ تھیالوجی ،اسلامیہ کالج پشاور
* صدر شعبہ اسلامک تھیالوجی اسلامیہ کالج پشاور

"فَأَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ"[4]

عمارت کے ستونوں اور کجاوے کی مضبوطی کے لیے اس کے نیچے لگائی جانے والی چار لکڑیوں پر "قواعد" کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ عمارت کے لیے ستون اور کجاوے کے لیے یہ لکڑیاں بھی بمنزلہ بنیادوں کے ہوتی ہیں۔ چنانچہ علامہ زجاج (متوفی ۳۱۱ھ)[5] کا قول نقل کیا گیا ہے :

"القواعد أساطين البناء وقواعد الهودج خشبات الأربع المعترضة"[6]

اسی لحاظ سے کسی ملک کے دار الخلافہ کو بھی '' قاعدہ" کہا جاتا ہے کہ یہ بھی ملک کے لیے بنیاد کی طرح اہمیت رکھتا ہے۔[7]

چنانچہ "قواعد" سے مراد کسی شے کی بنیادیں اور اصول ہیں وہ شے چاہے حسی ہو یا معنوی ، اس کی دونوں قسموں حسیات اور معنویات میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے، حسی اشیاء میں استعما ل کی مثال قواعد البیت اور قواعد الھودج اور معنوی اشیاء میں استعمال کی مثال قواعد الدین، قواعد الفقہ وغیرہ ہیں تاہم او ل الذکر میں لفظ قواعد حقیقۃً اور موخر الذکر میں مجازی طور پر استعمال کیا جاتا ہے "ثم استعملت مجازاً في القاعدة المعنوية فيقال بنى أمره على قاعدة أو قواعد"[8] فقہاء کرام نے اس لحاظ سے لفظ قاعدہ اور قواعد کو فقہی قواعد کے لیے استعمال کیا ہے۔

علم فقہ سمیت مختلف علوم وفنون کے اپنے الگ الگ قواعد ہوتے ہیں لیکن اصطلاحی اعتبار سے "فقہی قاعدہ" دوسرے علوم فنون کے قواعد سے ذرا مختلف مفہوم رکھتا ہے۔ علم النحو، علم منطق اور علم اصول فقہ وغیرہ میں قاعدہ سے مراد ایسا عمومی اصول یا حکم ہے جو اپنی تمام ذیلی جزئیات پر منطبق ہوتا ہو یعنی جس کا اطلاق اس کے ذیل میں آنے والے تمام ضمنی مسائل اور مشمولہ صورتوں پر ہوتا ہو، مثلاً علم النحو کا قاعدہ ہے کہ ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ "فاعل" کی ہر قسم کو شامل ہے اور فاعل کے جملہ افراد پر اس کا اطلاق یکساں طور پر ہوتا ہے۔ کوئی فاعل ایسا نہیں ملے گا، جو اس قاعدہ کے اطلاق سے باہر ہو۔ جہاں کہیں بھی فاعل ہوگا ہر حال میں مرفوع ہوگا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک اسم ترکیبِ نحوی میں فاعل تو واقع ہوا ہو لیکن حقیقۃً یا حکماً مرفوع نہ ہو۔

علم اصول الفقہ کا قاعدہ ہے "إذا تجردت صيغة الأمر اقتضى الوجوب"[9]۔ کہ اَمر جب ایسے قرائن سے خالی ہو جو موقع اور محل کے اعتبار سے امر کا کوئی اور معنی متعین کرے، تو ایسا امر ہمیشہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور" مامور بہ " واجب ٹھہرتا ہے۔ اس قاعدہ کا حکم اُن تمام جزوی نصوص پر منطبق ہوتا ہے جو اسی قاعدہ کے تحت داخل

ہوسکتے ہیں ایسے جملہ مامورات پر وجوب کا حکم صادر ہو گا۔خواہ ان کا تعلق عبادات ، معاملات ، مخاصمات یا کسی اور باب سے ہو۔مثلاً قرآن کریم کے ان ارشادات سے اس قاعدہ کے تحت وجوب مستفاد ہو گا۔

ا۔ "وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ"[10]

۲۔ "يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"[11]

۳۔ "فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ"[12]

اسی طرح اَمر کے تمام صیغے جو نصوص میں آتے ہیں اور قرائن سے خالی ہوتے ہیں، اس قاعدہ کے تحت آئیں گے اور اس قاعدہ کی رو سے ان امور کے وجوب کا پتہ چلے گا جن کی طرف صیغہ امر متوجہ ہو گا۔کوئی مامور اس کے انطباق سے باہر نہیں رہے گا۔اور یہی حال علم منطق اور دیگر عقلی علوم وفنون کے قواعد کا ہے۔[13]

لیکن علم فقہ کے قواعد کا معاملہ ان سے ذرا مختلف ہے ،عموماً ایک فقہی قاعدہ کا اطلاق اس کے ذیل میں آسکنے والے تمام مسائل اورمشمولہ صورتوں پر نہیں ہو تا بلکہ صرف اس کی بیشتر صورتوں پر ہوتاہے اور بعض صورتیں عموماً ایسی ہوتی ہیں جو اس قاعدہ کے اطلاق اورانطباق سے باہر رہ جاتی ہیں۔مثلاً علم فقہ کا مشہور قاعدہ ہے۔"للأكثر حكم الكل " جس کو فقہ کی عام مشہور کتب سمیت کتبِ قواعد میں لفظوں کے معمولی سے فرق کیساتھ ذکر کیا گیا ہے۔[14]لیکن اس قاعدہ کا حکم اس عمومیت اور وسعت کے باوجود ہر جگہ منطبق نہیں ہوتا اور بعض صورتیں اس کے انطباق سے باہر رہ جاتی ہیں۔مثلاً اکثر نمازیں پڑھنے والا آدمی مکمل نماز پڑھنے والا (مکمل نمازی)اورایک ہی نماز کااکثرحصہ پڑھنے والا اُسی نماز کے اعتبار سے کامل نمازی شمار نہیں کیا جاسکتا۔اس طرح وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے اکثر اعضاء یا ایک عضو کے اکثر حصہ دھونے پر(بشرط یہ کہ وہ شرعی مقدار سے کم ہو) مکمل غَسل کا حکم لاگو نہیں ہوتا ۔[15]تاہم پھر بھی عام طور پر تمام علوم وفنون میں قاعدہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔: "حكم كلي ينطبق على جميع جزئياته لتعرف أحكامها منه "[16]قاعدہ سے مراد وہ کلی حکم یا عمومی اصول ہے جس کا اطلاق اس کے تحت آنے والی تمام جزئیات پر اس لیے ہوتا ہے تاکہ ان کے احکام اس قاعدہ سے معلوم کیے جاسکیں۔

الفاظ کے کچھ تغیر اورحذف و اضافہ کیساتھ دوسرے اہل علم نے بھی اس تعریف سے ملتی جلتی تعریفات مرتب کی ہیں۔علامہ سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) نے اسکی تعریف میں کہا "فهي قضية كلية منطبقة على جميع جزئياتها"[17]

علامہ ابو البقاء الکفوی (متوفی ۱۰۹۴ھ)[18] نے ان الفاظ میں تعریف کی :

"القاعدة اصطلاحاً قضية كلية من حيث اشتمالها بالقوة على أحكام جزئيات موضوعها"[19]

"اصطلاح میں قاعدہ ایسے قضیہ کلیہ کو کہا جاتا ہے جس میں اپنے موضوع سے متعلقہ احکام پر عمومی انداز سے منطبق ہونے کی صلاحیت پائی جاتی ہو"

علامہ تھانوی(متوفی۱۱۵۸ھ) [20]نے قاعدہ کی تشریح یوں کی:

"وهي في اصطلاح العلماء تطلق على معان، ترادف الأصل، والقانون، والمسألة، والضابط والمقصد، وعرفت بأنها أمر كلي منطبق على جميع جزئياته عند تعرف أحكامها منه"[21]

قاعدہ کا اطلاق ایسے کئی معانی پر کیا جاتا ہے جو اصل ، قانون ، مسئلہ، ضابطہ، اور مقصد کے ہم معنی ہیں اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ کی گئی کہ قاعدہ ایسے امر کلی کا نام ہے ، جو جزئیات کے احکام معلوم کرتے وقت اپنی ساری جزئیات پر منطبق ہوتا ہو۔

ایسی ہی ایک تعریف ان حضرات سے قبل علامہ تفتازانی (متوفی ۷۹۱ھ)[22] نے کی : "القاعدة حكم كلي ينطبق على جزئياته ليتعرف أحكامها منه"[23] قاعدہ ایسا عمومی اور کلی حکم ہے جو اپنے جزئیات پر اس لیے منطبق ہو ،تا کہ اس قاعدہ سے اس کی جزئیات کے احکام معلوم کیے جائیں۔

یہ اور ان تعریفات سے ملتی جلتی دوسری تعریفات درحقیقت قاعدہ کی عمومی اصطلاح کی وضاحت کرتی ہیں اور اس مفہوم میں "قاعدہ" تقریباً تمام علوم وفنون میں استعمال کیا جاتاہے۔جن حضرات نے "فقہی قاعدہ" کی اس انداز سے تعریف کی (جن میں چند ایک کا ابھی ذکر کیا گیا)انہوں نے اس عمومی اصطلاح کے مفہوم کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے قاعدہ اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہوتا ہے۔جب کہ فقہی قواعدکا معاملہ ان سے کچھ مختلف ہے۔علم فقہ میں عام طور پر قاعدہ اپنی تمام ذیلی اور مشمولہ صورتوں پر نہیں ، بلکہ بیشتر صورتوں پر منطبق ہوتاہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض اہل علم نے قاعدہ کے ان دو مفہوموں کے درمیان فرق کی طرف اشارہ کیا ہے، یہاں تک کہ علامہ احمد بن محمد الحموی (متوفی ۱۰۵۶ھ)[24] نے قاعدہ کے عمومی مفہوم کو فقہی قاعدہ کی تعریف میں ذکر کرنے پر اعتراض کیا ہے:

"أقول، فيه نظر من وجهين إما أولاً : فلأن ما فسر به القاعدة نقلاً من شرح التوضيح غير صحيح هنا لأن القاعدة عند الفقهاء غيرها عند النحاة والأصولين إذهي عند الفقهاء حكم أكثري لا كلي"[25]

شرح توضیح یعنی علامہ تفتازانی (متوفی۷۹۱ھ) کی "التلویح" میں فقہی قاعدہ کی جو تفسیر نقل کی گئی یہ فقہی قاعدہ کی تعریف و تشریح میں صحیح اس لیے نہیں کہ فقہاء کرام کے ہاں جو قاعدہ کا مفہوم ومصداق ہے وہ علماء نحو اور علماء اصول کے ہاں پائے جانے والے قاعدہ کے مفہوم ومصداق سے مختلف ہے۔کیونکہ نحاۃ اور اصولیین کے برعکس فقہاء کرام کے ہاں قاعدہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔

علامہ مقری مالکی (متوفی ۷۶۱ھ)[26] فرماتے ہیں :

"ونعني بالقواعد كل كلي هو أخص من الأصول وسائر المعاني العقلية وأعم من العقود وجملة الضوابط الفقهية"[27]

"قاعدہ فقہیہ سے ہماری مراد ہر وہ کلی ہے جو اصول (فقہ) اور عام عقلی قواعد کے مقابلہ میں عمومیت کے لحاظ سے اَخص اور جملہ فقہی ضابطوں کے مقابلہ میں عمومیت کا حامل ہو "

یہی وجہ ہے کہ دیگر علوم وفنون کے قواعد کے مقابلہ میں فقہی قواعد کے انطباق اور اس کے مفہوم میں فرق کے پیش نظر بعض ایسی تعریفات وضع کی گئیں جن میں قاعدہ فقہیہ کو اپنی جزئیات پر انطباق کے لحاظ سے اَغلبی اور اکثری قرار دیا گیا تاہم ان میں قاعدہ کی کلیت کی نفی نہیں کی گئی۔جب کہ بعض ایسی تعریفات بھی مرتب کی گئیں جن میں کلیت کی نفی کی گئی۔ان تعریفات میں سے چند ایک یہ ہیں:

علامہ تاج الدین السبکی(متوفی۷۷۱ھ) [28]نے تعریف کی:

"حكم أغلبي ينطبق علـــى معظم جـــزئياته"[29]

"قاعدہ ایسا حکم ہے جو اکثریت کی بنیاد پر لگایا جاتا ہے اور اپنے تحت آنے والی بیشتر جزئیات پر منطبق ہوتا ہے"

علامہ حموی نے فقہاء کے نزدیک قاعدہ کی تعریف یہ قرار دی :

"حكم "أكثرى" لا كلي ينطبق على أكثر جزئياته لتعرف أحكامها منه"[30]

"قاعدہ سے مراد وہ اصول یا حکم ہے جو کلی نہ ہو بلکہ اکثری ہو اور اپنے ذیل میں آنے والی اکثر جزئیات پر اس کا اطلاق ہوتا ہو، تاکہ اس ذریعہ اس کی جزئیات کے احکام معلوم کیے جاسکیں"

اس طرح کی تعریفات کے ذریعہ سے قاعدہ کے عمومی اصطلاح اور فقہی اصطلاح میں فرق کیا گیا۔ تاہم بعض تعریفات ایسی بھی مرتب کی گئیں جن میں اس مفہوم میں وسعت پیدا کی گئی اور قاعدہ میں کلیت اور اغلبیت دونوں رجحانات اور اوصاف کو سمودیا گیا۔ چنانچہ شارح مجلۃ الأحکام العدلیہ ، علی حیدر آفندی[31] نے تعریف ذکر کی :

"هو الحكم الكلي أو الاكثري الذي يراد به حكم الجزئيات"[32]

"قاعدہ ایسا کلی یا اکثری حکم ہے جس کا مقصد یہ ہو کہ اس کے ذریعہ جزئیات کا حکم درآمد کیا جائے"

علامہ ابن رستم باز (متوفی ۱۳۳۸ھ)[33] نے بھی تقریباً یہی تعریف کی، آپ کے الفاظ یہ ہیں:

"حكم كلي أو غالب ينطبق على جزئيات كلها أو أكثرها"[34]

"ایسا حکم جو کلی یا اغلبی ہو اور تمام یا اکثر جزئیات پر منطبق ہوتاہو، فقہی قاعدہ کہلاتا ہے"

اس طرح کی اور تعریفات بھی کتب فقہیہ میں مل جاتی ہیں جن میں اگرچہ الفاظ اور عبارات کا فرق ہے لیکن ان سب کا مفہوم وہی ہے جو مذکورہ تعریفات میں آگیا ہے۔ بحثیت مجموعی ان تمام تعریفات میں دو باتیں محل نظر ہیں:

(الف) فقہی قاعدہ اگرچہ قاعدہ کلیہ کہلاتا ہے لیکن عموماً فقہی قواعد، قواعد کلیہ نہیں بلکہ قواعد اکثر یہ ہوتے ہیں یعنی ان کا اطلاق مشمولہ صورتوں میں اکثرصورتوں پر ہوتاہے، تمام پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر تعریفات میں اس قید کی رعایت رکھی گئی۔

(ب) یہ سب تعریفیں ان لوگوں کے لیے تو مفید ہیں جو پہلے سے کسی نہ کسی لحاظ سے قواعد فقہیہ کا تصور رکھتے ہو لیکن جو لوگ فقہی قواعد کا سرے سے کوئی تصور نہیں رکھتے ،ان کے لیے محض ان تعریفات کی مدد سے فقہی قواعد کا صحیح اور کامل تصور حاصل کرنا چنداں آسان نہیں، کیونکہ ان تعریفات میں علم فقہ کی طرف اشارہ تک موجود نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دنیائے عرب کے نامور معاصر فقیہ مصطفی الزرقاء [35] ان تعریفات سے مطمئن نہیں۔ آپ کے خیال میں ان تعریفات میں سے کوئی بھی تعریف اتنی واضح اور مکمل نہیں کہ محض ان تعریفات

میں کسی تعریف کی مدد سے پڑھنے والے کو فقہی قاعدہ کی مکمل حقیقت وماہیت کاعلم حاصل ہوجائے۔چنانچہ مصطفی أحمد الزرقانے خودان الفاظ میں ایک تعریف مرتب کی :

"القواعدالفقهيةهي: أصول فقهية كلية في نصوص موجزةدستوريةتتضمن أحكاماتشريعية عامةفي الحوادث التي تدخل تحت موضوعها"[36]

"کہ قواعد فقہیہ ،مختصرانداز اور قانونی زبان میں مرتب وہ فقہی اصول ہیں جن میں ایک موضوع کے تحت آنے والے حوادث وواقعات کے بارہ میں عمومی اسلوب بیان میں فقہی احکا م بیان کیے گئے ہو"

اس میں کوئی شک نہیں کہ استاد مصطفی احمد الزرقاء کی مرتب کردہ تعریف ،مذکورہ تعریفات کے مقابلہ میں واضح ہے۔لیکن اس میں اتنا اختصار نہیں جتنا کہ دوسری تعریفات میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔نیز اس تعریف میں بعض امور محل نظر ہیں۔

(الف)اس تعریف میں ایجاز کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔جب کہ قواعد کے لیے وصفِ ایجاز کو اگرچہ ترجیحی امر تو قراردیا جاسکتا ہے لیکن لازمی نہیں۔

(ب) اس تعریف کی روسے قاعدہ فقہیہ اور قاعدہ اصولیہ کے درمیان فرق نہیں کیا گیا حالانکہ ان دونوں قسم کے قواعد کے درمیان واضح فرق پایا جاتاہے۔

(ج) قاعدہ فقہیہ اور ضابطہ کے درمیان تعریف میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا حالانکہ ان دونوں کے درمیان فرق موجودہے۔

(د) "دستوریہ" اور تشریعیہ" کے الفاظ سے شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ تمام فقہی أحکام کا تعلق قضاء و عدالت سے ہے اور تمام احکام فقہیہ عدالتی ہیں جب کہ فقہی احکام کا معتدبہ ذخیرہ ایسا موجود ہے جن کا تعلق قضاء عدالت سے نہیں بلکہ دیانت سے ہے۔

طہارات ، عبادات اور دیگر بعض ابواب کو کسی طور عدالتی احکام قرار نہیں دیا جاسکتا۔شاید یہی وجہ ہے کہ بعض محققین نے آپ کی تعریف سے استفادہ کے باوجود اپنی تعریف وضع کی، چنانچہ معاصر ہندوستانی محقق ڈاکٹر علی احمد ندوی[37] نے یہ تعریف کی ہے :

"أصل فقهي كلي يتضمن أحكاماً تشريعية عامة من أبواب متعددة في القضايا التي تدخل تحت موضوعها"[38]

" ایسا کلی فقہی اصول جو متعدد فقہی ابواب سے تعلق رکھنے والے ایسے احکام کو شامل ہو جو قاعدہ کے موضوع کے نیچے داخل ہوتے ہیں"

اس تعریف میں اگرچہ ضابطہ اور قاعدہ کے درمیان فرق کیا گیا اس طرح فقہی اَحکام کو محض عدالتی احکام قرار دینے کے وہم کا کس قدر ازالہ بھی کیا گیا لیکن فقہی اور اصولی قاعدے کے درمیان اس تعریف کی رو سے پھر بھی فرق نہیں کیا جاسکتا ہے۔علاوہ ازیں فقہی قاعدہ کی تعریف میں اس کے کلی ہونے کے رجحان کو متعین کیا گیا ہے چنانچہ ان تمام تعریفات کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاعدہ فقہی کی عموماً جتنی تعریفات وضع یا مرتب کی گئی ہیں ان میں دو نقطہ ہائے نظر یا رجحانات میں سے کسی ایک کی جھلک دکھائی دیتی ہے:

(الف) فقہی قواعد دیگر علوم وفنون کے قواعد کی طرح عمومی اور کلی ہوتے ہیں۔

(ب) دیگر علوم وفنون کے برعکس فقہی قواعد "اکثری" یا اَغلبی نوعیت کے ہوتے ہیں۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ فقہی قواعد میں ہر دو خصوصیات کے حامل قواعد پائے جاتے ہیں جن کی بنیاد پر یہ دونوں رجحانات تشکیل پاتے ہیں۔پہلے نقطہ نظر کی رو سے سوائے عقلی علوم کے تمام علوم وفنون کے قواعد میں شاذ اور مستثنیات ہوتے ہیں ،بعض میں کم اور بعض میں زیادہ۔چنانچہ یہ مستثنیات دیگر علوم کی نسبت علم فقہ میں زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان مستثنیات سے دیگر علوم وفنون کے قواعد کی کلی اور عمومی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا۔لہذا مستثنیات کی موجودگی کی وجہ سے فقہی قواعد کی عمومی اور کلی حیثیت میں کمی نہیں آنی چاہیے کیونکہ قاعدہ کی مشمولہ صورتوں کی طرح مستثنیات بھی یاد کیے جاتے ہیں تاکہ موضوع کو ہر جانب سے مکمل کیا جاسکے۔لہذا اس حیثیت سے ان قواعد کو قواعد کلیہ ہی قرار دیا جائے گا۔اور جن جن اسباب سے قاعدہ کے عموم سے استثناء کیا جاتا ہے۔وہ مستثنیات درحقیقت اس قاعدہ کے مصداق اور نطاق سے نکل کر دوسرے قاعدہ یا سبب کے مشمولہ صورت کی شکل اختیار کر جائیں گے اور دوسرے قاعدہ کی عمومیت اور وسعت کا سبب بن جائیں گے۔

شارح مجلہ علامہ خالد الاتاسی (متوفی ۱۳۲۶ھ)[39] فرماتے ہیں:

"ربما يعارض بعض فروع تلك القواعد أثر، أو ضرورة، أو قيد، أو علة مؤثرة تخرجها من الإطراد فتكون مستثناة من تلك القواعد معدولا بها عن سنن القياس"[40]

"کہ کبھی کبھار ان قواعد کی مشمولہ صورتوں میں بعض فروعات کے ساتھ اثر، یا ضرورت ،قید یا علت موئثرہ کا تعارض واقع ہوتاہے۔جو ان میں سے بعض فروعات کو قاعدہ کے عمومی حکم سے نکال دیتا ہے۔اور یہ فروعات اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہوتے ہیں ان کو ایسے سمجھا جائے جیسا کہ قیاس کی مشمولہ صورتوں میں بعض کو خلاف القیاس ہونے کی بنا پر قیاس کے دائرہ سے باہر سمجھا جاتا ہے اور اس سے قیاس کی عمومی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا"

مزید برآں اس نقطہ نظر کی رو سے بعض قواعد بطور مثال اساسی قواعد ایسے ہیں ، جن میں مستثنیات ناپید یا بہت ہی کم ہوتے ہیں۔لہٰذا صلبِ تعریف میں اغلبیت یا اکثریت" جیسے اوصاف ذکرکرنا مناسب نہیں۔شاید اسی وجہ سے قواعد کی تعریف کرتے ہوئے بعض حضرات ''أمر کلی " یا "قضیۃ کلیۃ "یا "حکم کلی" ذکر کرکے ان کی کلی حیثیت کو راجح قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کے مستثنیات کو بالکل نظر انداز کردیتے ہیں۔

دوسرے نقطہ نظر کے مطابق بعض قواعد میں استثنائی صورتیں کم یا ناپید ہوتی ہیں جب کہ بعض میں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔اور مؤخر الذکر قواعد کی تعداد اول الذکر قواعد کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔چنانچہ یہ قواعد تمام جزئیات پر منطبق نہیں ہوتے بلکہ اکثر صورتوں پر منطبق ہوتے ہیں۔اس لیے ان حضرات نے ان قواعد کی عددی کثرت کی وجہ سے فقہی قواعد کی حقیقت وماہیت میں" صفتِ اکثریت اوراغلبیت "کو بنیادی حیثیت دی ہے یہاں تک کہ بعض تعریفات میں" حکم أکثری لاکلی "کہہ کر ان کی کلیت کی نفی کی گئی ہے۔

چنانچہ کہاجاسکتا ہے کہ فقہی قاعدہ کی حقیقت وماہیت میں دونوں خصوصیات اور رجحانات شامل ہیں۔یعنی قاعدہ عمومی اورکلی بھی ہوسکتا ہے اور اغلبی اور اکثری بھی۔اہلِ علم کے ہاں دونوں قسم کے قواعد پر فقہی قواعد کا اطلاق ہوتا رہا ہے اس امر کی طرف علامہ ابو سعید خادمی (متوفی۱۱۷٦ھ)[41] نے مجامع الحقائق کے خاتمہ میں اشارہ کیا ہے: "لکن المختارکون القواعد أعم من أن تکون کلیۃً أو أکثریۃ"[42]اس لیے فقہی قاعدہ کی ایسی تعریف ناگزیر ہوجاتی ہے جس میں ان دونوں رجحانات اور خصوصیات کو سمونے کی گنجائش موجود ہو۔ضابطہ اور قاعدہ کے درمیان امتیاز بھی پایا جاتا ہو۔نیز ایسی تعریف ہو کہ قاعدہ اصولیہ سمیت دیگر علوم وفنون کے قواعد سے احتراز بھی ہوسکے تاکہ فقہی قاعدہ کی تعریف جامع و مانع بن سکے۔چنانچہ ان تعریفات کی روشنی میں فقہی قاعدہ کی ایسی تعریف کی جاسکتی ہے جس میں ان مذکورہ امور کا لحاظ رکھا گیاہو۔اور وہ یہ ہے:

"القاعدة الفقهية أصل فقهي عام يتعرف منه مباشرةً حكم الجزئيات المندرجة تحت موضوعه من أبواب متعددة"[43]

ایسا عمومی فقہی اصول جس سے مختلف اور متعدد ابواب سے تعلق رکھنے والے ایسی جزئیات کا شرعی حکم بلا واسطہ معلوم کیا جائے جو اس قاعدہ کے موضوع کے نیچے داخل ہوتی ہیں۔

فوائد قیود

1. اَصل" کالفظ "امر" "قضیہ "یا" حکم" کی بجائے اس لئے استعمال کیاگیا کہ اصل بمعنی قاعدہ لغۃً مستعمل بھی ہے۔صاحب ہدایہ (متوفی ۵۹۳ھ) نے اصل کو اپنی کتاب میں بیسیوں جگہ قاعدہ کے معنی میں استعمال کیا ہے "ہدایہ" کے حواشی اور بین السطور میں جا بجا اس کی تشریح موجود ہیں۔علم قواعد کی سنگ بنیاد اور اولین تالیف" اصول الکرخی" کی طرح اس فن کے زمانۂ موجودہ تک شاندار علمی کارنامہ " موسوعۃ القواعد الفقہیہ" کی پہلی جلد میں "الاَصل" کے نام سے فقہی قواعد کا ذکر کیا گیا ہے۔[44]
2. "فقہی" کی قید سے دیگر علوم وفنون مثلاً نحو، صرف ،منطق وغیرہ کے قواعد نکل جائیں گے۔ان قواعد کو یہ تعریف شامل نہیں ہوگی۔
3. اس قاعدہ میں "عموم" سے مراد مطلق عموم ہے۔چاہے حقیقی ہو یا نسبی۔چنانچہ یہ تعریف ہر دو قسم کی فقہی قواعد کو شامل ہوجائے گی۔چاہے وہ قواعد کلی نوعیت کے ہو یا اکثری نوعیت کے۔
4. "مباشرۃ" کی قید سے "قواعد اصول فقہ" نکل جائیں گے۔اصولی قواعد سے بھی احکام معلوم کیے جاتے ہیں۔ لیکن بلا واسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ۔جب کہ فقہی قواعد سے بلاواسطہ احکام معلوم کیے جاتے ہیں۔مثلاً اصولی قاعدہ ہے "الأمر يقتضي الوجوب" کہ امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے نماز واجب ہے۔زکوۃ واجب ہے لیکن بلاواسطہ اس قاعدہ سے نماز اورزکواۃ کا حکم معلوم نہیں ہوگا۔بلکہ "اقيموا الصلوة اور "آتوا الزكوة" کے واسطہ سے۔کہ "اقیموا" امر ہے نماز کا، لہٰذا بنا بر قاعدہ "الامر يقتضي الوجوب "نماز فرض ہے۔اس طرح"آتو الزکوۃ" زکواۃ کا حکم ہے اوربنا بر قاعدہ "الأمر يقتضي الوجوب " زکواۃ واجب ہے۔لیکن فقہی قواعد مثلاً "الأمور بمقاصدها "یا"لاعبادة بدون النية "نماز اور زکواۃ کے سلسلے میں بطور مثال وجوب نیت کا فائدہ بلاواسطہ دیتے ہیں۔نماز اور زکواۃ میں نیت فرض ہے بنا بر قاعدہ " الاُمور بمقاصدھا" یا بنا بر قاعدہ "لاعبادة بدون النية"۔

5. "من ابواب متعددۃ" اس قید سے فقہی قاعدہ اور ضابطہ کے درمیان فرق حاصل ہو جائے گا۔کیونکہ قاعدہ کا تعلق متعدد اور مختلف ابواب سے ہوتا ہے جب کہ ضابطہ ایک باب کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔[45]
6. "یتعرف" عام تعریفات میں "یشتمل، یتضمن، تفہم، اور ینطبق" کے الفاظ کی بجائے یتعرف (مشقت ومحنت کر کے معرفت حاصل کرنا) کا لفظ استعمال کیا گیا جس سے اس نکتہ کے طرف اشارہ مقصود ہے کہ کسی قاعدہ سے حکم معلوم کرنا ہر کس وناکس کا کام نہیں، اسکے لیے ذہنی کاوش اور فنی مہارت درکار ہوتی ہے۔

قواعد فقہ کی علمی ضرورت اور فنی اہمیت

فقہ اسلامی انسانوں کو درپیش مسائل کے حل کے لیے شرعی احکام کے مجموعے کا نام ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا حل معلوم کرنا فقہاء کرام کا فریضہ منصبی ہے۔جتنے مسائل اب تک پیش آچکے ہیں اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جو نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے یہ بے شمار اور ان گنت ہیں۔ظاہر ہے ان کے احکامات بھی لا متناہی ہو ں گے۔ آنے والے مسائل کے احکام سے قطع نظر ، جو احکام اجتہاد کے نتیجے میں حاصل ہوئے ہیں ،وہ اتنے زیادہ ہیں کہ جزئیات اور فروعات کے انداز میں ان کا احاطہ نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔اس لیے فقہاء کرام نے ان احکام کے حصرو احاطہ کے لیے ایسے قواعد کی ضرورت محسوس کی، جو مختصر الفاظ پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ عمومی اور جامع ہو۔تاکہ ہر قاعدہ کے ضمن میں ایک نوع کے سینکڑوں مسائل کا اندراج ہوسکے او راس کے نتیجہ میں ان گنت جزئیات وفروعات کا احاطہ ممکن ہوسکے۔یہ حضرات اللہ تعالی کے فضل سے اس سعی میں کامیاب ہوئے اور مختلف مذاہب کے فقہاء نے ان قواعد کو مرتب کیا۔

ان قواعد سے نہ صرف پیش آمدہ مسئلہ کا حکم معلوم ہوجاتا ہے بلکہ علت میں اشتراک کی بنا پر اس جیسے سینکڑوں مسائل کی تخریج آسان ہوجاتی ہے۔امام سرخسی فرماتے ہیں:

> "من أحکم الأصول فهما ودراية تيسر عليه تخريجها"[46]
> "جو شخص اصول وقواعد میں فہم ودرایت کے اعتبار سے پختگی پیدا کر لیتا ہے اس کے لیے ان اصول کی بنیاد پر فروعات کی تخریج آسان ہوجاتی ہے"

ان قواعد سے فقہ اسلامی کی گہرائی وگیرائی (Depth and Universality) نمایاں ہوجاتی ہے۔منتشر جزئیات کی تہہ میں ایک ہی علت کار فرمانظر آتی ہے۔مسائل واحکام میں علت ومعلول (Cause and effect) کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ متفرق ابواب میں ایک موضوع سے تعلق رکھنے والے مسائل میں باہمی ربط پیدا ہوجاتاہے

اوراجتہادی ملکہ پروان چڑھتاہے جس کی بنیاد پر نت نئے اور جدید مسائل کے احکام معلوم کرنے میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے۔اسی وجہ سے علامہ جلال الدین السیوطی نے اسے عظیم فن قرار دیا ہے:

"إعلم أن فن الأشباه و النظائر فن عظيم به يطلع على حقائق الفقه و مداركه و مأخذ۔۔ و يقتدر على الالحاق و التخريج و معرفة احكام المسائل التى ليست بمسطورة و الحوادث و الوقائع التى لا تنقضى على ممر الزمان"[47]

"اس عظیم فن کے ذریعے سے فقہ کے حقائق، مدارک اور مأخذ کا پتہ چلتا ہے۔اور آدمی غیر ثابت شدہ مسائل کے لیے احکام کی معرفت اور تخریج پر قادر ہوتا ہے۔جب کہ یہ حوادث اور واقعات مرور زمانہ کے ساتھ ختم نہیں ہوتے "

جب بھی کوئی نیامسئلہ پیداہوگا اس کے لیے شرعی حل پیش کرنا ان اصول وقواعد کی روشنی میں آسان ہوگا۔علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"(القواعد) وهى أصول الفقه فى الحقيقة و بها يرتقى الفقيه إلى درجة الاجتهاد و لو فى الفتوى"[48]

"یہ قواعد درحقیقت اصول فقہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے ذریعے سے فقیہ درجہ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے اگرچہ یہ درجہ فتوی کے اعتبار سے ہو"

استنباط احکام میں اصول فقہ کی جو حیثیت ہے تخریج احکام میں وہ کردار قواعد فقہ ادا کرتے ہیں او رتخریج وترجیح کے اعتبار سے آدمی میں اجتہادی بصیرت پیدا ہوجاتی ہے۔فقہی قواعد کی بدولت ان بنیادوں تک رسائی ہو جاتی ہے، جن پر فقہ کی عظیم عمارت قائم ہے۔اگر کسی کو یہ سب ، یا ان میں سے بیشتر قواعد مستحضر ہو تو اس کے ہاتھ گویا وہ کلید آجاتی ہے جس سے فقہ اسلامی کی بہت سی گتھیاں خود بخود سلجھتی چلی جاتی ہے لیکن جو حضرات قواعدکے بغیریاان کو نظر اندازکر کے فقہ اسلامی کا مطالعہ کرتے ہیں ان کو بسااوقات فقہ کا یہ سارا ذخیرہ غیر مربوط اور منتشر احکام کا ایسامجموعہ دکھائی دیتا ہے کہ ان کومختلف مسائل اوران کے پس پشت کارفرما اصولوں میں کوئی باہمی ترتیب نظر نہیں آتی۔ایسی صورت حال میں یہ حضرات قانون سازی کے میدان میں فقہ کی بنیادی روح اور فلسفہ کو بخوبی سمجھنے سے محروم رہتے ہیں۔چنانچہ مشہور مالکی فقیہ ابو العباس قرافی قواعد فقہ کی اہمیت یوں بیان کرتے ہیں :

"وهٰذه القواعد مهمة فی الفقه عظيمة النفع وبقدر الاحاطة بها يعظم قدر الفقيه۔۔۔ ومن ضبط الفقه بقواعده استغنیٰ عن حفظ اکثر الجزئیات، لاندراجها فی الكليات واتحد عنده ماتناقض عند غيره وتناسب"[49]

علم فقہ کے سارے ذخیرہ میں فقہی قواعد کو بہت اہم مقام حاصل ہے اور علمی طور پر ان کی افادیت مسلم ہے۔ جو شخص ان قواعد میں جتنی مہارت حاصل کرے گا، اتنا ہی اس کے فقہی آراء میں پختگی اوررسوخ پیدا ہو گا۔اگر کوئی شخص قواعد کلیہ کے بغیریاان کو نظر انداز کر کے محض جزئیات اور مسائل کو یاد کرنے کی کوشش کرے گا اس کو بڑی مشقتوں اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔اس لیے کہ جو جزوی مسائل اور فروعی احکام اسے یاد کرنے پڑیں گے، وہ بے شمار ہونگے۔لیکن جو شخص قواعد کلیہ پر عبور حاصل کرنے کے بعدان کے واسطے سے جزئیات کی طرف متوجہ ہو گا۔زیادہ ترجزئیات کو الگ سے یاد کرنے کی اسے ضرورت پیش نہیں آے گی۔کیونکہ بہت سے جزئیات تو انہی کلیات کے ضمن میں آجائیں گی جنہیں وہ پہلے ہی علمی گرفت میں لاچکا ہے۔اس طرح بہت سے احکام ومسائل جو دوسرے لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ بلکہ متناقض نظر آتے ہیں وہ اس شخص کو ایک مربوط اور متناسب سکیم میں مندرج ہونے کی وجہ سے بسہولت وآسانی یاد رہیں گے۔

قواعد کی یہی اہمیت "مجلۃ الأحکام العدلیۃ" کے مرتب کرنے والے نامور اہل علم نے مجلہ کے مقدمہ میں واضح کی ہے :

"أن لها فائدة كلية فی ضبط المسائل، فمن اطلع عليه من المطالعين يضبطون المسائل بادلتها وسائر المأمورين يرجعون اليها فی كل خصوص وبهٰذه القواعد يمكن للانسان تطبيق معاملاته علی الشرع الشريف او فی الاقل التقريب"[50]

فقہی مسائل سمجھنے اورمنضبط کرنے میں یہ قواعد بڑے کارآمداورمفیدہیں۔ان قواعد کواچھی طرح سمجھنے والے لوگ، دلائل کے ساتھ فقہی مسائل کوبخوبی جان سکیں گے۔اور تمام عدالتی حکام اورسرکاری آفسران بھی ہرمناسب موقع پر ان قواعدکی طرف رجوع کر سکیں گے۔ان قواعد کے ذریعے سے ممکن ہو گا، کہ لوگ اپنے معاملات کے بارہ میں حکم معلوم کر کے شریعت کے مطابق ان کی مکمل تطبیق کریں یاکم ازکم شریعت کے مزاج اورروح سے انہیں ہم آہنگ اور قریب تر کر سکیں۔

مجلہ کے بعض شارحین کے نزدیک قواعد فقہیہ کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) یہ قواعداسلامی فقہ کے معتبر اصول ہیں فقہاء کرام اور مجتہدین کے طرز استدلال اوراجتہادی اسالیب سے بخوبی اگاہی کے لیے ان قواعدکا جاناضروری ہے۔

(ب) اجتہادی مسائل اورفقہی احکام کی پشت پر جو عمومی انداز فکر اور فلسفہ کار فرماہے اس سے گہری واقفیت پیدا کرنے کے لیے ان قواعد کی معرفت ناگزیر ہے۔

(ج) قواعد فقہیہ کے جاننے سے فقہی احکام سے عمومی مناسبت پیدا ہوجاتی ہے۔

(د) قواعد فقہیہ کے مطالعہ اورممارست سے فقہ اسلامی میں گہرا ادراک اور رسوخ حاصل ہوجاتا ہے۔[51]

(ھ) فروعات اورجزئی مسائل چونکہ بے شمار ہیں، ان سب کے تفصیلی دلائل سمجھنا،پھر ان کویاد رکھنا اور مستحضر رکھنا بہت مشکل ہے۔قواعد فقہیہ اور ان کے مأخذ ودلائل سے واقفیت کی بدولت ان کے تحت آنے والی فروعات اور جزئیات کے سمجھنے کی بنیادیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

(و) قواعد فقہیہ سے واقفیت کی بدولت انسان کے لیے یہ بات بہت آسان ہو جاتی ہے کہ روزمرہ زندگی میں شریعت کے نقطہ نظر کو سمجھ سکیں اور اپنے معاملات پر شرعی احکام کی تطبیق کریں۔[52]

امام بدرالدین الزرکشی الشافعی (متوفی۷۹۴ھ)[53] نے مندرجہ بالا فوائد کوایک جملہ میں سمیٹ لیا ہے:

"إن ضبط الأمور المنتشرة المتعددة في الق ــــوانين المتحدة ه ــــو أدعى لحفظها وأوعى لضبطها"[54]

"منتشر اور متعدد امور کو جامع قوانین کے تحت ضبط کرنے سے حفظ میں انتہائی سہولت ہوتی ہے اور ان کے ضبط کا بھر پور داعیہ پیدا ہوتا ہے"

قواعد فقہیہ کی معرفت شریعت اسلامی کے اسرار وحِکَم اور مسائل کے مأخذ اور مراجع معلوم کرنے میں بھر پور کردار ادا کرتی ہے۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کے مقاصد اور اسرار وحِکَم وہ مہتم بالشان علم ہے جو پوری بصیرت کے ساتھ آدمی کوشعوری ایمان کی راہ دکھاتا ہے جس کے ساتھ انسان پوری استقامت کے ساتھ رب کی بندگی اختیار کرتا ہے۔

نامور فقیہ شیخ مصطفی احمد الزرقاء فرماتے ہیں:

"ان قواعد سے فقہ اسلامی کے مبادی وتعلیمات کی عمدہ تصویر سامنے آجاتی ہے۔ان کے نظری رجحانات اور فکری گوشے کھل جاتے ہیں فروعات کو ضوابط کے ذریعے اس طرح منضبط کیا جاتا ہے، کہ ان فروعات کے ہر زمرہ میں وحدت مناط اور ربط ظاہر ہونے لگتا ہے اور مختلف ابواب اور موضوعات سے تعلق رکھنے کے باوجود یہ فروعات ایک مربوط لڑی میں مجتمع لگتی ہیں یہ قواعد اگر نہ ہوتے : "**لولا هذه القواعد لبقيت الأحكام فروعاً مشتتة قد**

تتعرض ظواهرها دون أصول تمسک بها في الأفكار و تبرز فيه العلل الجامعة "[55] ان قواعد کی عدم موجودگی کی صورت میں احکام شریعت منتشر فروعات کی شکل میں یوں پائے جاتے کہ ان کے ظاہری صورتوں میں تعارض پایا جاتا اور ایسے اصول اور جامع عِلَل ناپید ہوتے جو فکری انداز میں ان فروعات کے درمیان جوڑ پیدا کر دیتے"

قواعد فقہیہ ان گنت فروعات کے حصر واحاطہ کے ساتھ فقیہ کے اندر وہ صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں کہ ہر صاحب مذہب اپنے امام کے اصولوں کو منضبط کر دیتا ہے۔امام ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

"فهذه القواعد مهمة۔۔۔ تضبط للفقيه أصول المذهب، تطلعه من مأخذ الفقه على ما كان قد تغيب عنه، و تنظم له منثور المسائل في سلک واحد"[56]

یہ قواعد انتہائی اہم ہیں۔ ان کے ذریعے مذہب کے اصول منضبط ہوتے ہیں اور مخفی مأخذ پر واقفیت حاصل ہوتی ہے۔اور بکھرے ہوئے مسائل ایک لڑی میں منظم ہوتے ہیں۔امام تاج الدین السبکی نے فقہ اسلامی میں رسوخ وکمال کے خواہشمند حضرات کے سامنے اس مقصد کے حصول کے لیے دو طریقے رکھے ہیں اور دونوں کے اہمیت کے بعد طریقہ قواعد کو ترجیح دی ہے :

"حق على طالب التحقيق و من يتشوق الى المقام الاعلى في التصور و التصديق أن يحكم قواعد الأحكام ليرجع إليها عند الغموض و ينهض بعبئ الاجتهاد أتم نهوضٍ ثم يؤكد ها بالاستكثار من حفظ الفروع لترسخ في الذهن مثمرة عليه بفوائد غير مقطوع فضلها و لا ممنوع۔۔۔۔ أما استخراج الفتوى و بذل المجهود في الإقتصار على حفظ الفروع من غير معرفة أصولها و نظم الجزئيات بدون فهم مأخذها، فلا يرضاه لنفسه ذو نفس آبيه۔۔۔۔ و إن تعارض الأمران وقصر وقت طالب العلم عن الجمع بينهما لضيق أو غيره من آفات الزمان فالرأي لذي الذهن الصحيح: "الاقتصار على حفظ القواعد و فهم المآخذ"[57]

ہر طالب تحقیق اور نظری اور بدیہی مسائل میں اعلی مقام کے خواہشمند کی ذمہ داری ہے کہ قواعد میں پختگی پیدا کرے تاکہ دقیق مسائل میں ان کی طرف رجوع کر سکے اور اجتہاد کی ذمہ داری کو بطریق احسن نبھا سکے۔پھر ان قواعد میں یوں پختگی پیدا کرے کہ ان کے ساتھ فروعات کو کثرت سے یاد کرے تاکہ یہ قواعد ذہن میں راسخ ہوجائیں اور بے شمار فوائد کی صورت میں ثمر آور ہوجائیں۔صرف فتوی تلاش کرنا اور اصول کی معرفت کے بغیر فروعات کو یاد کرنے پر اکتفاء کرنا، اور مأخذ کے ادراک کے بغیر جزئیات جمع کرنا، یہ ایسے امور ہیں کہ عظیم افراد اور اہل علم حضرات مطلقاً ان پر راضی نہیں ہوتے۔لیکن خدانخواستہ دو امور (حفظ قواعد اور ضبط فروعات) میں اگر

تعارض کا سامنا ہو، ان دونوں کو جمع کرنے کے لیے طالب علم کو وقت کی کمی یا دیگر آفات زمانہ درپیش ہوں، تو صحیح سالم دماغ والے افراد کے لیے مشورہ یہ ہے کہ وہ حفظ قواعد اور ادراک مأخذ پر اکتفاء کریں۔

فن قواعد میں پختگی اور رسوخ ، مسائل کے حقیقی فہم اور نئے مسائل کے استخراج کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس علم میں ضعف ، اجتہادی ملکہ کے ضعف کا سبب بنتا ہے۔فقہ اسلامی کے زوال کے مجملہ اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے :

"عدم العناية بجمع النظائر و القواعد للفروع المتحدة بذكر الحِكَم الجامعة بينها حتى يستغنى عن كثرة التفريع وحتى تكون الفروع كالأمثلة للقواعد"[58]

فقہ اسلامی کے زوال کے اسباب میں یہ بھی ہے کہ جامع حکمتوں کے ذریعے مشترک فروعات کو منضبط کرنے والے نظائر اور قواعد کو جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی، تا آنکہ کثرت تفریع کی ضرورت نہ رہتی اور یہ فروعی مسائل ان قواعد کے لیے مثالوں کی حیثیت اختیار کرتے۔یہی وہ اہم نکتہ ہے جس کی بنیاد پر بعض محققین نے فقہ کو اشباہ ونظائر کا ہی علم قرار دیا ہے "**الفقه معرفة النظائر**"[59]

قواعد فقہ کی تعلیمی ضرورت اورفنّی اہمیت عالم اسلام کے نامورفقیہ مصطفی احمد الزرقاء نے مختصر جملے میں سمیٹ لیا ہے: "**هي دساتير للتفقيه لا نصوص للقضاء**"[60] یہ قواعد فقیہ بنانے اور فقہ میں مہارت اورگہری بصیرت پیدا کرنے کے راہنما اصول ہیں، قضاء یا عدالتی فیصلوں کی بنیاد بننے والے قوانین یادفعات نہیں۔

ہراس شخص کے لیے اس میں مہارت ضروری ہے جو قضاء یا افتاء کے فرائض سر انجام دینا چاہتا ہو، تاکہ ان قواعد کے ذریعے سے ہزاروں فقہی فروعات اور جزئیات کا احاطہ اورضبط کرنے پر قادرہوسکے ، کیونکہ مختلف آراء میں ان قواعد کے ذریعے کسی رائے کو ترجیح دینا آسان ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے مشہور ومعروف معتمد کتابوں میں ان قواعد کا تذکرہ ہو تا رہا ہے اورکو ئی قابل ذکر کتاب ان کے تذکرہ سے شاذ ونادر ہی خالی ہوتی ہے۔چنانچہ ڈاکٹر محمد صدقی البورنونے ایک قول نقل کیا ہے۔جس کی رو سے اہل قضا اور ارباب فتوی کے لئے علم القواعد کو فرض عین اور دوسرے حضرات کے لئے فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے۔"**إن حكم دراسة القواعد الفقهية و الإلمام بها على القضاة و المفتين فرض عين و على غيرهم فرض كفاية**"[61]

خلاصہ بحث

- قاعدہ فقہی کی عموماً جتنی تعریفات مرتب کی گئی ہیں ان میں دو نقطہ ہائے نظر یا رجحانات میں سے کسی ایک کی جھلک دکھائی دیتی ہے:

(الف) فقہی قواعد دیگر علوم وفنون کے قواعد کی طرح عمومی اور کلی ہوتے ہیں

(ب) دیگر علوم وفنون کے برعکس فقہی قواعد "اکثری" یا اَغلبی نوعیت کے ہوتے ہیں۔

- اصطلاحی اعتبار سے فقہی قاعدہ دوسرے علوم و فنو ن کے قواعد سے ذرا مختلف مفہوم رکھتا ہے۔دیگر علوم و فنون کے قواعد کلیہ ہو تے ہیں جب کہ علم فقہ کے قواعد دوقسم کے ہیں۔پہلی قسم ایسے فقہی قواعد کی ہے جو دیگر علوم و فنون کے قواعد کی طرح عمومی اور کلی ہوتے ہیں۔دوسری قسم وہ قواعد ہیں جو دیگرعلوم و فنون کے برعکس اکثری یا اغلبی نوعیت کے ہوتے ہیں۔

- قواعدفقہ کے بغیرفقہ اسلامی کے احکام غیر مربوط اور منتشر احکام جبکہ ان کی بدولت مربوط اور متناسب سکیم میں منضبط ہوتے ہیں۔

- ان قواعد کی بدولت ایک طرف مذہب کے اصول منضبط ہوتے ہیں اوردوسری طرف اجتہاد کی ذمہ داری کو بطریق احسن نبھانے کی صلاحیت پروان چڑھتی ہے اور ساتھ ساتھ غیر ثابت شدہ مسائل کے لیے احکام کی تخریج آسان ہوتی ہے۔

- اہل قضا اور ارباب فتوی کے لئے علم القواعد کو فرض عین اور دوسرے حضرات کے لئے فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے.

حواشی ومراجع

[1].ابن منظور: لسان العرب،(دار الصادر للطباعة والنشر،۱۳۸۸ھ بیروت) مادۃ "قعد" ۳۳۹/۱۱۔

[2]. الجوہری، اسماعیل بن حماد: الصحاح، تحقیق: عبد الغفور، دار الکتب العربی مادۃ "قعد"۔

[3]. القرآن: البقرۃ،۱۲۷۔

[4]. القرآن: النحل ۲۶۔

[5]. زجاج: آپ کا پورا نام ابراہیم بن محمد بن سدي بن سہل الزجاج مشہور لغوی اور نحوی ہیں ۲۴۱ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور یہی ۳۱۱ھ میں انتقال ہوا۔ ابن خلکان: وفیات الاعیان، تحقیق، احسان عباس (دار صادر، بیروت)۴۹/ا۔

[6]. الزبیدی، سید محمد مرتضی: تاج العروس من جواہر القاموس، (ط / بیروت، دار مکتبۃ الحیاۃ) ۴۷۳/۲، فصل القاف من باب الدال" مادۃ قعد"؛ الاصفہانی، الراغب: المفردات فی غریب القرآن، ترجمہ: محمد سید کیلانی، (ط، مصر، مصطفی البابی الحلبی ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۱ء) مادۃ "قعد" ص ۴۰۹۔

[7]. المنجد ص ۸۲۲، مادۃ" قعد"۔

[8]. المقری، ابو عبد اللہ محمد بن محمد: القواعد، تحقیق: احمد بن عبد اللہ بن حمید (مکۃ مکرمۃ، مرکز احیاء التراث الإسلامی) مقدمۃ ص ۱۰۴۔

[9]. الشیرازی، ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف، الفیروز آبادی: اللمع، تحقیق: محمد حسن ھیتو (دار الفکر بیروت، ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء)۔ ص ۲۶۔

[10]. القرآن: البقرۃ، ۸۳

[11]. القرآن: مائدۃ، ا۔

[12]. القرآن: النساء، ۵۹۔

[13]. مثلاً منطقی قاعدہ ہے "کل ناطق انسان" ۔ ہر ناطق انسان ہے۔ اس قاعدہ کے لحاظ سے ہر ناطق پر انسان کا حکم لاگو ہو گا کبھی بھی ایسا نہیں ہو گا کہ کوئی شی ناطق ہو اور انسان نہ ہو۔ ہر جگہ اس قاعدہ کا انطباق ہو گا۔

[14]. السرخسی، شمس الأئمہ ابو بکر محمد بن أحمد بن أبی سہل الحنفی : المبسوط فی الفقہ الحنفی، (دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۶ھ)، ۵۴/۲؛ الندوی، علی أحمد، الہندی، الدکتور: القواعد والضوابط المستلخصہ من التحریر للحصیری (مطبعہ المدنی القاہرۃ، ۱۴۱۱ھ) ، ص ۱۱۸، ۱۴۱، ۱۴۸؛ محمد صدقی البورنو : موسوعۃ القواعد الفقہیہ ۲۵۴/۲۔ ۲۵۵ ؛ الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود الحنفی : بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (مطبعہ شرکۃ المطبوعات العلمیۃ مصر ۱۳۲۷ھ) ۲/ ۹۴۵۔۲۵۷/۲،۸۱۶۔

[15]. البورنو، محمد صدقی بن أحمد، ابو الحارث الغزی، الشیخ، الدکتور: موسوعۃ القواعد الفقہیہ (ط/ا، مکتبۃ التوبۃ، دار ابن حزم ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء، ط/ا، موسسۃ الرسالۃ ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ئ) ۲۵۴/۲۔ ۲۵۵ تحت قاعدہ "للاکثر حکم الکل"۔

[16]. الحموی، احمد بن محمد: غمز عیون البصائر (ط/ا، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء) ۵۱/ا۔

[17]. الجرجانی، علی بن محمد الشریف: کتاب التعریفات (مکتبہ لبنان ساحۃ ریاض الصلح بیروت ۱۹۶۹ء) ص۔۱۷۷

[18]- ابو البقاء: آپ کا پورا نام ایوب بن موسی الحسینی الکفوی الحنفی ہے۔ قدس کے منصب قضاء پر فائز رہے، ۱۰۹۴ھ میں انتقال ہوا۔ علمی آثار میں "الکلیات" مشہور ہے: اسماعیل باشا: ہدیۃ العارفین (مکتبۃ المثنی بیروت) ۲۲۹/۱؛ عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین، (دار المعرفۃ، بیروت، لبنان) ۳۱/۳۔

[19]- الکفوی، ایوب بن موسی الحسینی ابو البقاء: الکلیات، فہرست، دکتور عدنان درویش و دکتو احمد مصری (دمشق منشورات وزراۃ الثقافیۃ والارشاد القومی ۱۹۷۴ء) القسم الرابع، ص ۴۸۔

[20]- علامہ تھانوی: پورا نام شیخ محمد اعلی بن علی بن حامد الحنفی، ہند کے مشاہیر اہل علم میں سے ہیں اپنے والد سے نحو اور عربی علوم پڑھے اور ان سے فقہ میں کمال حاصل کیا۔ ۱۱۵۸ھ میں انتقال ہوا۔ محمد عبد الحیٔ: نزہۃ الخواطر، بہجۃ المسامع والنواظر (ط/۱ ہند۔ مطبع دائرہ المعارف العثمانیۃ ۱۳۷۶ھ) ۲۷۸/۶؛ یحیی مراد: دکتور: معجم تراجم أعلام الفقہاء (ط/۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ۱۴۲۵ھ ۲۰۰۴ئ)، ص ۶۰

[21]- التھانوی: کشاف اصطلاحات الفنون (ط بیروت) ۱۱۷۶/۵-۱۱۷۷۔

[22]- تفتازانی: آپ کا پورا نام سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ ایک قول کے مطابق محمود بن عمر تفتازانی ہے۔ تفتازان میں پیدا ہوئے۔ سرخس میں اقامت اختیار کی، تیمور لنگ کے زمانے میں سمرقند چلے گئے اور وہی ۷۹۱ھ میں انتقال ہوا، تصانیف میں "شرح الاربعین النوویۃ، شرح العقاید النسفیہ، مقاصد الطالبین، شرح مقاصد الطالبین اور حاشیۃ علی العضد علی مختصر الحاجب، مشہور کتابیں ہیں۔ دیکھیے: ابن حجر العسقلانی: الدرر الکامنۃ ۳۵۰/۴؛ الشوکانی: البدر الطالع ۳۰۳/۲؛ ابن العماد: شذرات الذھب ۳۱۹/۶-۳۲۲؛ الزرکلی: الآعلام ۱۱۳/۸؛ عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین ۲۲۸/۱۲۔

[23]- التفتازانی، سعد الدین، مسعود بن عمر: التلویح علی التوضیح (ط لاہور، مکتبۃ رحمانیہ اردو بازار) ص ۵۳۔

[24]- حموی: آپ کا پورا نام أحمد بن محمد الحموی المصری الحنفی ہے۔ مشہور فقیہ اور کئی علوم میں ید طولی رکھتے تھے۔ ۱۰۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ حاشیۃ علی الدرر والغرر، کشف الرمز عن خبایا الکنز، غمز عیون البصائر علی محاسن الاشباہ والنظائر لابن نجیم اور القول البلیغ فی حکم التبلیغ علمی أثار چھوڑے۔ اسماعیل باشا: ہدیۃ العارفین ۱۶۴/۱؛ عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین ۹۳/۲؛ یحیی مراد: معجم تراجم اعلام الفقہاء، ص ۹۷۔

[25]- الحموی: غمز عیون البصائر (ط، دار الطباعۃ العامرۃ سنۃ ۱۳۵۷ھ) ۲۲/۱۔

[26]- علامہ مقری مالکی: آپ کا نام محمد بن محمد بن احمد، کنیت ابو عبد اللہ اور افریقہ کے علاقہ مقرہ کی طرف نسبت کی وجہ سے مقری کہلاتے ہیں ممتاز مالکی فقیہ تھے تلمسان میں پیدا ہوئے اور راجح قول کے مطابق ۷۵۸ھ کو فاس میں انتقال ہوا۔ دیکھیے ابن العماد، شذرات الذھب، ۶/۱۹۳، ابن فرحون، الدیباج المذھب ص ۳۳۴-۳۳۵۔

[27]- المقری، محمد بن محمد بن احمد: کتاب القواعد، تحقیق: احمد بن محمد حمید، ص ۲۱۲۔

[28]- تاج الدین السبکی آپ کا نام عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی بن تمام، کنیت ابو نصر اور لقب تاج الدین تھا۔ ۷۲۷ھ میں قاھرہ میں پیدا ہوئے۔ حدیث، فقہ، اصول فقہ، طبقات اور مناقب جیسے مختلف موضوعات پر (۲۳) کتابیں لکھیں۔ ۷۷۱ھ میں طاعون میں مبتلا ہو کر (۴۴) سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ دیکھیے: ابن حجر الدرر الکامنہ، ۳/ ۳۹-۴۱۔ ابن العماد، شذرات الذھب، ۶/ ۲۲۱۔

[29]- السبکی، تاج الدین، عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی: الاشباہ والنظائر (ط/۱، دار الکتب العلمیۃ)، ۱۱/۱۔

[30]- الحموی: غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ۲۲/۱۔

31۔ علی حیدر آفندی: بنیادی طور پر آپ کا تعلق ترکی سے تھا، فخر القضاۃ والعلماء کے لقب سے ملقب تھے۔ہائی کورٹ کے پہلے صدر، محکمہ فتاوی کے امین،وزیر عدل اور استنبول کے لاء کالج میں مجلہ کے پروفیسر تھے۔ المحامی فہمی الحسینی : درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام، لعلی حیدر أفندی، مقدمۃ، (دار الکتب العلمیۃ،بیروت) ،ص ۳۔

32۔ علی حیدر: درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام، تعریب المحامی فہمی الحسینی(ط بیروت دار الکتب العلمیۃ) ۱/۱۷،مادۃ ۳۔

33۔ (الف) رستم باز: آپ کا پورا نام سلیم بن رستم بن الیاس بن الطنوس باز ہے، ۱۲۷۵ھ میں بیروت میں پیدا ہوئے لبنان میں تعلیم پائی اور قضاء کے متعدد مناصب پر فائز ہوتے رہے۔ ۱۳۳۸ھ میں انتقال ہوا۔ ۳۹ کے قریب کتابیں لکھیں یہ تمام کتابیں قانون کے متعلق ہیں ان میں زیادہ تر ترکی زبان سے ترجمہ کر کے مرتب کی ہیں ان میں شرح الم جلہ ،شرح قانون اصول المحاکمات ،شرح قانون اصول المحاکمات الجزائیۃ اور مرقاۃ الحقوق زیادہ مشہور ہیں۔ دیکھیے: الزرکلی: الأعلام ۳/ ۱۱۸۔

(ب) آپ کی اول الذکر کتاب شرح المجلہ کے نام سے ایک جلد میں ۱۲۸۷ صفحات پر منشورات حلبی لبنان نے ۲۰۰۹ء میں شائع کی۔

34۔ ابن رستم باز: شرح المجلہ، ص۷۔

35۔ مصطفی احمد الزرقاء: شیخ مصطفی احمد الزرقاء ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ شام کے شہر حلب میں شیخ احمد بن محمد الزرقاء کے گھر پیدا ہوئے۔ سات سال عصری علوم، فرانسیسی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی۔ فقہ کی تعلیم بطور خاص اپنے والد شیخ احمد الزرقاء سے حاصل کی۔ فقہ و قانون کے موضوع پر آپ کی ۱۲، کتابیں اور ۳۰ سے زائد مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں مشہور چند ایک یہ ہیں، الفقہ الإسلامی فی ثوبہ الجدید (المعروف بہ المدخل الفقہی العام) ، أحکام الأوقاف، عقد التامین وموقف الشریعۃ منہ ،شرح القانون المدنی، مصادر الالتزام الإرادیہ ، العقد والارادہ المنفردہ، نظریۃ العقد فی القانون المدنی السوری۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المعجم الجامع فی تراجم العلماء وطلبۃ العلم المعاصرین، من لجنۃ المؤلفین، (یہ کتاب تاحال شائع نہیں ہوئی تاہم الموسوعۃ الشاملۃ(سی،ڈی) میں موجود ہے، ۱/۳۴۱۔

36۔ الزرقاء مصطفی احمد: المدخل الفقہی العام (دار الفکر ۱۳۸۷ھ /۱۹۶۸ئ) ۲/ ۹۴۷ فقرہ ۵۵۶؛ نیز دیکھیے الزرقا احمد بن شیخ احمد : شرح القواعد الفقہیہ، تقدیم مصطفی احمد الزرقاء(دمشق دار القلم ط۔۲) ص ۳۴۔

37۔ علی احمد الندوی: آپ ممتاز معاصر ہندوستانی عالم ہیں اور علم قواعد میں کئی اہم کتابوں کے مؤلف ہیں جیسے ''القواعد الفقہیہ'' ، '' القواعد والضوابط المستخلصۃ من التحریر للحصیری ''، ''موسوعۃ القواعد والضوابط الفقہیۃ الحاکمۃ للمعاملات المالیۃ ''اور'' الامام محمد بن الحسن الشیبانی۔ نابغۃ الفقہ الاسلامی '' ۔ آپ کی یہ چاروں کتابیں مطبوع ہیں۔

38۔ یہ تعریف ممتاز معاصر محقق ڈاکٹر علی أحمد الندوی کی ہے۔ آپ نے خود اعتراف کیا ہے : ہنا ینبغی التبنیہ علی أن ہذہ الصیاغۃ استفدناہا من تعریف الاستاذ الجلیل الزرقاء حفظہ اللہ مع تعدیل طفیف فی التعبیر وحذف بعض الکلمات : الندوی: علی احمد: القواعد الفقہیہ، تقدیم مصطفی الزرقاء(ط دمشق دار القلم) ص ۴۵۔

39۔ محمد خالد أتاسی: آپ کا پورا نام خالد بن محمد بن عبد الستار العطاسی المعروف بالأتاسی ہے۔ حمص میں ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۶ھ میں یہی انتقال ہوا۔ آپ فقیہ اور شاعر تھے۔ علمی اثار میں شرح المجلۃ مشہور ہے۔ عمر رضا کحالہ : معجم المؤلفین ۴/۹۷؛ یحیی مراد: معجم تراجم الأعلام الفقہاء ص ۹۔

40۔ الاتاسی: شرح المجلہ (ط/ مطبع حمص الأولی ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۰ئ) ۱۱/۱۔۱۲۔

41- ابو سعید الخادمی: آپ کا نام محمد بن محمد بن مصطفی الخادمی کی ہے بارہویں صدی ہجری میں ترکی کے حنفی فقیہ اور اصولی عالم تھے۔ ولادت اور انتقال خادم نامی بستی میں ہونے کی وجہ سے الخادمی کے نام سے مشہور ہوئے۔ درر الحکام شرح غرر الحکام کا حاشیہ تحریر کیا۔ دیکھیے :المراغی، محمد بن مصطفی، الفتح المبین فی طبقات الاصولیین، (بیروت، محمد امین دمج وشرکاہ ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ئ) ۱۱۶/۳؛ الزرکلی: الأعلام ۷ / ۶۸۔

42- الخادمی، مصطفی احمد، المرادی الحنفی: منافع الدقائق فی شرح مجامع الحقائق (المطبعہ العامرہ ۱۲۸۸ھ) ص ۳۰۵۔

43- دیکھیے: سلیم الرحمٰن، فقہ اسلامی کے اصول و قواعد (ھدایۃ) کے تناظر میں، مقالہ پی ایچ۔ڈی، ص ۱۲۶

44- امام ابو الحسن کرخی نے اپنے رسالہ میں (۳۷) فقہی قواعد ذکر کیے، آپ کا اسلوب یہ ہے کہ ہر قاعدہ کے لیے "الأصل" کا عنوان اختیار کرتے ہیں۔ دیکھیے : اصول الکرخی مطبوع فی ضمن قواعد الفقہ لمفتی محمد عمیم الاحسان (صدف پبلشر کراچی)، ۱۱-۲۳، نیز دیکھیے : البورنو: موسوعۃ القواعد الفقہیہ، ۱۲/ ۱ ۴-۵۳۳۔ سلیم الرحمٰن، فقہ اسلامی کے اصول و قواعد (ھدایۃ) کے تناظر میں، مقالہ پی ایچ۔ڈی، ص ۴۵۲۔

45- فقہی ضابطہ، فقہی قاعدہ اور اصولی قاعدہ کی تشریح کیلئے دیکھیے :فقہ اسلامی کے اصول و قواعد (ھدایۃ) کے تناظر میں، باب اول فصل دوم ص ۱۲۸، ومابعد، ۱۳۱، ومابعد۔

46- السرخسی: المبسوط (استنبول، دار الدعوۃ، موسسۃ الثقافیۃ للتألیف والطباعۃ والنشر وللتوزیع) ،۱۷۸/۳

47- السیوطی: الاشباہ والنظائر، ص۶۔

48- ابن نجیم: الأشباہ والنظائر۔ (ط، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی سطن) ، ص۷۔

49- القرافی، ابو العباس شہاب الدین احمد بن ادریس: الفروق، (ط بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر) مقدمہ ۳/۱۔

50- مجلۃ الأحکام العدلیۃ (ط استنبول، ۱۳۰۵ھ) ، مقدمہ، ص۶۔

51- گ المجلۃ کے مرتبین کی اصل عبارت یہ ہے : وتلک القواعد مسلمۃ، معتبرۃ فی الکتب الفقہیۃ، تتخذ ادلۃ لاثبات المسائل وتفہمہا فی بادی الأمر فذکرہا یوجب الاستئناس، ویکون وسیلۃ لتقررہا فی الأذہان، علی حیدر: درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام، ۱۵/۱۔

52- یوسف آصاف: مرآۃ المجلۃ ۴/۱۔

53- الزرکشی : آپ کا نام محمد بن بہادر لقب بدر الدین اور نسبتیں مصری اور زرکشی ہیں۔ ۷۴۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے۔ مفسر اصولی اور شافعی المسلک فقیہ تھے (۳۴) کتابیں لکھیں اور ۷۹۴ھ میں انتقال ہوا۔ دیکھیے :ابن حجر الدرر الکامنہ، ۴ / ۱۷، ۱۸ ابن العماد، شذرات الذھب، ۶ /۳۳۵۔

54- الزرکشی، بدر الدین محمد بن بہادر الشافعی : المنثور فی القواعد، تحقیق تیسر فائق احمد محمود، (ط/۲، شرکۃ دار الکویت للصحافۃ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) مقدمہ۔

55- الزرقاء، مصطفی أحمد: المدخل الفقہی العام، ۹۳۹/۲۔

56- ابن رجب، ابو الفرج عبد الرحمن بن رجب الحنبلی: قواعد ابن رجب، (ط بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر) ، ص۳۔

57- ابن السبکی: الأشباہ والنظائر، ۱۰/۲۔

58- علامہ محمد الطاہر بن عاشور، الیس الصبح بقریب، ص ۱۹۹، بحوالہ علی أحمد الندوی، القواعد والضوابط المستخلصہ من التحریر للامام جمال الدین الحصیری، (ط، مصر مطبعۃ المدنی المؤسسۃ السعودیۃ) ، ص ۱۱۳۔

[59]۔ السیوطی:الأشباہ والنظائر ص۶؛الزرکشی: المنثور فی القواعد، ص۳۶۷۔

[60]۔ الزرقاء:مصطفی احمد: المدخل الفقہی العام،(ط، دمشق،مطبعہ طربین۱۳۸۷ھ /۱۹۶۸ئ)،۲/۹۴۹۔

[61]۔ البورنو: آپ کا پورا نام دکتور ابو الحارث محمد صدقی بن احمد الغزی ہے، آپ ممتاز معاصر محقق ہیں اور آج کل کلیۃ الشریعۃ واصول الدین بالقصیم، بریدۃ سعودی عرب میں پروفیسر کی حیثیت سے منسلک ہیں۔ آپ کی تالیفات ''الوجیز فی ایضاح قواعد الفقہ الکلیۃ'' اور ''موسوعۃ القواعد الفقہیہ'' مشہور اور متداول ہیں۔